کی مثال ہے۔ اسلام علم کا خیر مقدم کرتا ہے، تہذیب و تمدن سے استفادہ کرتا ہے لیکن ان کے معائب اور نقائص سے دامن بچاتا ہے۔ اور یہی دلیل ہے اس بات کی کہ ہم آپ کی تہذیب اور علمی ترقی سے استفادہ کر سکتے ہیں بغیر اس کے کہ آپ کی تہذیب کے کانٹوں سے دامن دریدہ ہوں۔

جرمن صحافی۔ یہ صحیح ہے۔ مجھے جرمنی میں اسی طرح کے چند نوجوانوں کے ساتھ رہنے کا اتفاق ہوا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ تہذیب کی ترغیبات و تحریصات سے جس طرح ان لوگوں نے اعراض کیا ہے میں خود اس پر دنگ رہ گیا۔ حتیٰ کہ میں نے جب اپنی ایک نشری گفتگو میں کہا کہ جرمنی اور یورپ کے مختلف ممالک میں ۲۴، ۲۴ اور ۲۵، ۲۵ برس کے ایسے نوجوان رہتے ہیں جو لذتِ وصال سے نا آشنا ہیں تو کسی نے میری بات پر اعتبار نہ کیا۔ البتہ جہاں تک کارنیوال کا تعلق ہے تو شاید اس کا سبب کیتھولک مذہب کا "اعتراف" ہے جو اسلام میں موجود نہیں ہے۔ اور یہی چیز آپ کے نوجوانوں کو عیاشیوں میں غرق ہونے سے روکتی ہے۔

ڈاکٹر سباعی۔ اسی سے آپ دیکھیے کہ ہم آپ کے ہاں اس وجہ سے نہیں جاتے ہیں کہ آپ کی اجتماعی زندگی کے انداز اور اس کی اخلاقی قدریں ہمیں بھا گئی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہم آپ کی لغزشوں میں حصہ دار بنے بغیر آپ کی علمی ترقی سے استفادہ کر سکتے ہیں۔

جرمن صحافی۔ میں آپ کا از حد شکر گزار ہوں۔ آپ نے مجھے ایک ایسی حقیقت سے روشناس کیا ہے جس سے ہم اب تک غافل تھے اور وہ یہ کہ ہم اپنی اجتماعی زندگی کے مظاہر سے آپ کو مرعوب نہیں کر سکتے۔ آپ اس کے معائب سے پوری طرح باخبر ہیں اور اس سے دُور رہنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اسی طرح میں اس بات کے لیے بھی شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے اسلام کے بارے میں میری غلط فہمیاں رفع کر دیں۔ آج تک مجھے اپنے متعلق یہ خیال رہا کہ میں سب سے زیادہ اسلام اور مسلمانوں اور ان کے تہذیبی مسائل کو جانتا ہوں لیکن آپ نے مجھے بتا دیا کہ میں بہت کچھ نہیں جانتا۔

خدا حافظ۔ (ترجمہ: عمر فاروق)

عہدِ جاہلیّت میں عربوں کے مذہبی معتقدات

(عبد الحمید صدیقی)

دنیا کا کوئی نظامِ حیات نہ خلا میں پیدا ہوتا ہے اور نہ خلا میں پروان چڑھتا ہے بلکہ ہر نظام ایک خاص ماحول میں جنم لیتا ہے۔ اور رائج الوقت نظام سے نبرد آزما ہو کر آگے بڑھتا ہے۔ اس لیے ہر نئے نظام کی روح، اس کے اساسی تصورات اور اس کے عملی تقاضوں کو سمجھنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ ہم سب سے پہلے اُس ماحول کو سمجھنے کی کوشش کریں جس میں وہ نظامِ حیات معرضِ وجود میں آیا ہے۔ یہی فطری اصول ہمیں اسلام کے معاملے میں بھی پیش نظر رکھنا چاہیے۔ آپ اگر قرآن مجید کی تصریحات اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کی انقلاب انگیز تعلیمات کے مضمرات کو پوری طرح جاننا چاہتے ہیں تو اس کے لیے یہ بالکل ناگزیر ہے کہ ہم سب سے پہلے اُس پس منظر کو ذہن نشین کریں جس میں اللہ تعالیٰ کے آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے اپنی دعوت کا آغاز فرمایا۔ اس مضمون میں ہم عربوں کے صرف مذہبی معتقدات پر بحث کریں گے۔

قرآن مجید کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مثبت طور پر جس عقیدے پر سب سے زیادہ زور دیا ہے وہ توحید ہے اور جس باطل خیال کا پوری شدت کے ساتھ ابطال کیا ہے وہ شرک ہے۔ عربوں کے اندر یوں تو شرک کی کوئی قسم ایسی نہ تھی جو موجود نہ ہو مگر اس میں سب سے زیادہ نمایاں حیثیت بُت پرستی کو حاصل تھی۔ اس لیے ہم سب سے پہلے قدیم عربوں کی بت پرستی کا ہی جائزہ لیتے ہیں۔

عرب میں بُت پرستی کا آغاز | عرب میں بُت پرستی کا آغاز خانہ کعبہ کی عقیدت کے پاکیزہ جذبے

[1] اس موضوع کے لیے ہم نے زیادہ تر مولوی المنذر ہشام بن محمد بن السائب الکلبی کی شہرہ آفاق تصنیف کتاب الاصنام سے لیا ہے۔

شروع ہوا۔ جو شخص بھی مکہ سے عارضی یا مستقل طور پر جدا ہوتا وہ حرم کے مقدس پتھروں میں سے ایک آدھ پتھر عقیدت کے طور پر اپنے ساتھ لے جاتا۔ منزلِ مقصود پر پہنچ کر وہ اسے ایک خاص مقام پر نصب کر لیتا اور اس کے گرد اسی طرح طواف کرتا جس طرح کہ قیامِ مکہ کے دنوں میں وہ خانہ کعبہ کے گرد طواف کیا کرتا تھا۔ وہ اس پتھر سے حرم کے تعلق کی بنا پر خیر و برکت کا طالب ہوتا اور اس کے ساتھ اُسی محبت اور وابستگی کا اظہار کرتا جو ایک نیک اور خدا ترس انسان اللہ کے مقدس گھر سے کرتا ہے۔

سب سے پہلے جس شخص نے عرب میں دینِ ابراہیم کو مسخ کر کے بُت پرستی کا آغاز کیا وہ قبیلہ خزاعہ کا سردار عمرو بن ربیعہ لحی بن حارثہ بن عمرو بن عامر الازدی تھا۔ کعبہ کی تولیت پہلے الحارث کے سپرد تھی مگر جب عمرو بن لحی مکہ میں قیام پذیر ہوا تو اس نے حارث کے حق تولیت کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی اور اپنی اولاد کی مدد سے حارث اور اس کے خاندان کو اس قابلِ رشک عہدہ سے محروم کر کے خود اس پر قابض ہو گیا۔[۱]

اس انقلاب کے بعد عمرو بن لحی پر اچانک بیماری کا حملہ ہوا اور اس بیماری نے بڑی سرعت کے ساتھ شدت اختیار کی۔ موت و حیات کی اس کشمکش میں کسی حکیم و دانا نے اُسے بتایا کہ شام میں البلقا کے مقام پر گرم پانی کا ایک چشمہ موجود ہے۔ اگر وہ وہاں پہنچ کر اُس کے پانی سے غسل کرے تو وہ جلد صحت یاب ہو جائے گا۔ اس نے اس مشورے کو پوری خوشدلی سے قبول کیا اور البلقا کے لیے رختِ سفر باندھا۔ قدرت کو اس کی صحت منظور تھی، چنانچہ اُس نے جب اس چشمے کے پانی سے غسل کیا تو جلد شفایاب ہو گیا۔

صحت بحال ہو جانے کے بعد اُس نے کچھ دنوں کے لیے وہاں مزید قیام کیا تاکہ اُس کی قوت و توانائی معمول پر آ جائے اور وہ آسانی کے ساتھ سفر کے مصائب اور صعوبتوں کو برداشت کر سکے۔ اس عرصۂ قیام میں اُس نے دیکھا کہ وہاں کے باشندے بتوں کے سامنے سجدہ ریز ہوتے ہیں اور اُن کے حضور سرِ نیاز خم کر کے دعائیں مانگتے ہیں۔ اس قسم کی حرکات و سکنات سے

---

[۱] کتاب الاصنام ص۸

وہ پہلے قطعاً شناسا نہ تھا۔ اُس کے دل میں فطری طور پر یہ خواہش پیدا ہوئی کہ وہ ان کے بارے میں اُن سے استفسار کرے۔ جستجو کرنے پر اُسے بتایا گیا کہ یہ ان کے معبود ہیں جن کی طرف وہ بارش اور دشمنوں پر فتح حاصل کرنے کے لیے رجوع کرتے ہیں۔ عمرو بن لحی نے ان سے درخواست کی کہ تبرک کے طور پر کچھ معبود اُسے بھی دے دیئے جائیں۔ چنانچہ انقا کے باشندوں نے اس کے اس مطالبہ کے احترام میں چند بُت اس کی خدمت میں بطور نذرانہ پیش کر دیئے۔ یہ شخص پتھر کی ان مورتیوں کو لے کر مکہ واپس چلا آیا اور انہیں خانہ کعبہ کے اردگرد رکھ دیا۔[1]

اسی سلسلہ میں ابن عباس سے جو روایت منقول ہے وہ یہ ہے کہ قبیلہ جُرہم سے تعلق رکھنے والے ایک شخص اِساف اور ایک عورت نائلہ کے درمیان سرزمین یمن میں معاشقہ شروع ہوا۔ حج کے موسم میں یہ دونوں خانۂ کعبہ کی زیارت کے لیے مکہ روانہ ہوئے۔ جب وہ اللہ کے مقدس گھر میں داخل ہوئے تو اتفاق سے اُس وقت وہاں ان دونوں کے علاوہ کوئی تیسرا شخص موجود نہ تھا۔ سفلی جذبات سے مغلوب ہو کر انہوں نے مُنہ کالا کیا۔ اس ذلیل اور مذموم حرکت کی وجہ سے اُن پر اللہ تعالیٰ کی پھٹکار پڑی اور وہ بے جان پتھروں میں تبدیل کر دیئے گئے۔ لیکن عربوں کی "ذہانت" کی داد دیجیے کہ انہوں نے ان سے عبرت پکڑنے کے بجائے ان کی پرستش شروع کر دی۔ خزاعہ اور قریش کے قبائل اس معاملے میں پیش پیش تھے۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اولادِ اسماعیلؑ میں سے پہلا شخص جس نے بت پرستی کی رسم کو رواج دیا اور لوگوں کو اپنی اولاد کے نام بتوں کے ناموں پر رکھنے کی تلقین کی اور اس طرح اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ دین میں تحریف کا مرتکب ہوا وہ ہذیل بن مُدرکہ تھا۔

عرب کے مشہور بُت اور بتکدے | ذیل میں ہم عرب کے مشہور بتوں اور بتکدوں کے نام اور ان کے مختصر حالات درج کرتے ہیں:

قبیلۂ ہذیل سُواع کا پرستار تھا اور اس بُت کو اہلِ قبیلہ نے مدینہ کے ایک گاؤں یَنبع

[1] کتاب الاصنام ص۸

کے نزدیک "بر عاط" کے مقام پر نصب کر رکھا تھا۔ اس صنم خانہ کی تولیت بنو لحیان کے سپرد تھی۔
قبیلہ کلب کے لوگ وَدّ کے سامنے اظہارِ عبودیت کرتے تھے۔
اسی طرح عرب کے دو مشہور قبائل مَذحِج اور اہلِ جُرَش یَغوث سے وابستہ تھے۔
اِن بتوں سے ان قبائل کی عقیدت کا اظہار بعض اشعار سے بھی ہوتا ہے۔ مثلاً:

حَیَّاكِ وَدٌّ! فَاِنَّا لَا یَحِلُّ لَنَا
لهو النساء، وان الدین قد عزما

"اے وَدّ تمہیں حیات (جاوداں) نصیب ہو۔ ہمارے لیے یہ جائز نہیں کہ ہم عورتوں کے ساتھ دل بہلائیں۔ ہمارا دین پختہ اور مضبوط ہے۔"

قبیلہ خیوان کے لوگ یعُوق کے حضور میں سرِ تسلیم خم کرتے تھے۔ ابن کلبی کے قول کے مطابق اُسے کسی ایسے قبیلے کا ذکر نہیں ملتا جس کے افراد نے اپنے نام اِس بت کے نام پر رکھے ہوں۔ اسی طرح اس بت کا تذکرہ شعراء کے کلام میں بھی ناپید ہے۔ اس کی وجہ ابن کلبی کے نزدیک یہ ہے کہ خَیوان، ہمدان اور اسی طرح کے دوسرے قبائل چونکہ صنعاء کے قریب آباد تھے اور حِمیَر سے اختلاط کی وجہ سے انہوں نے یا تو یہودیت کو قبول کر لیا تھا یا اُس سے کافی متاثر تھے، اس لیے انہیں اس بُت سے کوئی گہری وابستگی باقی نہ رہی تھی۔ یہ سرد مہری ہمیں قبیلہ حمیر کے افراد میں اُن کے بت "نسر" کے بارے میں بھی دکھائی دیتی ہے اور اس کی وجہ بھی وہی ہے جس کا ذکر اوپر کیا گیا ہے۔ یہ قبیلہ تُبّع کے عہدِ حکومت میں بُت پرستی کو ترک کر کے دینِ موسوی میں داخل ہو گیا تھا۔

دینِ موسوی میں داخلے سے قبل حِمیَر نے صنعا کے مقام پر ایک صنم کدہ تعمیر کر رکھا تھا جو ریام کے نام سے اہلِ عرب میں مشہور تھا۔ لوگ اس کی بڑی تعظیم و توقیر کرتے، یہاں آ کر نذرانے چڑھاتے اور بتوں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے جانوروں کی قربانیاں دیتے تھے۔

یہ صنم کدہ مکر و فریب کی آماجگاہ تھا جس میں سادہ لوح عوام کو اُن کی ضعیف الاعتقادی

سے فائدہ اٹھا کر مختلف قسم کے فریب دیتے جاتے تھے۔ ایک روایت کے مطابق جب تبّع عراق کی مہم میں کامیاب ہو کر اپنے مستقر پر واپس لوٹا تو اس نے دو مذہبی رہنماؤں کی مدد سے اس بتخانہ کو نیست و نابود کروا دیا۔ اس لیے قدیم عرب شاعری میں ریام اور نسر کا کہیں نام و نشان نہیں ملتا

یہ پانچ بت یعنی وَدّ، سُواع، یغوث، یعوق، اور نسر جن کا تذکرہ گزشتہ صفحات میں کیا گیا ہے، قوم نوح کے نہایت معظم و محترم اصنام تھے۔ ان سے اُسے گہری وابستگی تھی اور وہ اپنے جذبۂ عبودیت کی تسکین کے لیے زیادہ تر انہی کی طرف رجوع کرتی تھی۔ قرآن مجید میں ان بتوں کی پرستش کا ذکر یوں کیا گیا ہے:

قَالَ نُوْحٌ رَّبِّ اِنَّهُمْ عَصَوْنِیْ وَاتَّبَعُوْا مَنْ لَّمْ یَزِدْهُ مَالُهٗ وَوَلَدُهٗ اِلَّا خَسَارًا ۔ وَمَكَرُوْا مَكْرًا كُبَّارًا ۔ وَقَالُوْا لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا وَّلَا یَغُوْثَ وَیَعُوْقَ وَنَسْرًا ۔ وَقَدْ اَضَلُّوْا كَثِیْرًا ۔

(نوح۔ آیت ۲۱-۲۴)

نوح نے کہا اے میرے پروردگار ان لوگوں نے میری نافرمانی کی اور اُن کی پیروی کی جن کے مال اور اولاد نے انہیں سوائے نقصان کے اور کچھ نہ دیا اور جنہوں نے بُری بُری تدبیریں کیں اور جنہوں نے کہا کہ تم اپنے معبودوں، یعنی ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر سے کبھی منہ نہ موڑنا۔ ان لوگوں نے بہتوں کو گمراہ کر دیا۔

یہ پانچوں بت یعنی ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر عمرو بن لحی کی وساطت سے عربوں میں مقبول ہوئے۔ اس نقطۂ نظر سے اگر دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ اصنام غیر ملکی تھے جنہیں باہر سے پرستش کے لیے درآمد کیا گیا تھا۔

عربوں کے قومی بُت | عربوں کے قومی بتوں میں مناۃ کی شہرت بہت زیادہ ہے۔ وہ نہ صرف اس بت کی پورے جذبۂ عبودیت کے ساتھ پرستش کرتے، بلکہ عقیدت اور احترام کی وجہ سے اپنی اولاد کو ایسے ناموں سے پکارتے جو ہر لحاظ سے اُن کی اس بت کے ساتھ گہری وابستگی

کے آئینہ دار ہوتے تھے۔ عربی ادب میں ہمیں اس قسم کے کئی نام ملتے ہیں جن میں عبد مناۃ اور زید مناۃ خاص طور پر مشہور و معروف ہیں۔ یہ بت مکہ اور مدینہ کے درمیان مُشلّل کے قرب و جوار میں قُدَید کے مقام پر رکھا ہُوا تھا۔

اس بُت کی قریب قریب سارے عرب قبائل میں پرستش ہوتی تھی اور اس کی خوشنودی کے حصول اور اس کی ناراضگی سے بچنے کے لیے عرب جانوروں کی قربانیاں دیا کرتے تھے۔ مگر اس معاملے میں اوس اور خزرج سب پر سبقت لے گئے تھے۔ ابن کلبی، عمار بن یاسر کا، جو اوس اور خزرج کے معاملات کے متعلق سب سے زیادہ اور مستند معلومات رکھتے تھے، ایک قول نقل کرتے ہیں جس سے ان قبائل کی مناۃ کے ساتھ غیر معمولی وابستگی کا پتہ چلتا ہے۔

"یہ لوگ جب حج کی غرض سے دوسرے حجاج کے ساتھ روانہ ہوتے تو وہ تمام اُن مقامات پر ٹھہرتے جن پر کہ عرب عام طور پر قیام کیا کرتے تھے اور وہ ساری رسوم ادا کرتے جو اُس وقت رائج تھیں لیکن وہ اپنے سروں کو منڈانے سے اجتناب کرتے۔ واپسی پر جب وہ اس مقام پر پہنچتے جہاں مناۃ کا بُت نصب تھا تو وہاں کچھ وقفہ کے لیے قیام بھی کرتے اور اپنے سر بھی منڈاتے کیونکہ ان کے نزدیک مناۃ کی زیارت بھی حج کا ایک نہایت ضروری حصہ تھا اور جب تک اس رکن کو پوری طرح ادا نہ کیا جائے اُس وقت تک اُن کی نظر میں حج کی تکمیل نہ ہوتی تھی۔"

اس بُت اور اس سے عربوں کی غیر معمولی عقیدت اور وابستگی کا ذکر قرآن مجید میں یوں آتا ہے:

اَفَرَءَیْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰی وَ مَنٰوۃَ الثَّالِثَۃَ الْاُخْرٰی - اَلَکُمُ الذَّکَرُ وَلَہُ الْاُنْثٰی - تِلْکَ اِذًا قِسْمَۃٌ ضِیْزٰی - (النجم - رکوع ۱)	کیا تم نے لات اور عُزّٰی اور تیسرے منات کے حال میں غور نہیں کیا ہے؟ کیا تمہارے لیے تو بیٹے ہوں اور خدا کے لیے بیٹیاں۔ اس اعتبار سے تو یہ بُری بے ڈھنگی تقسیم ہے

عربوں کے ہاں مناۃ کی عرصہ دراز تک تعظیم و تکریم ہوتی رہی یہاں تک کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آٹھویں صدی ہجری میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ذریعہ اسے یکسر مسمار کروا دیا۔ اس مہم میں مسلمانوں کو کافی مال و اسباب ملا جس میں وہ دو تلواریں بھی شامل تھیں جو شاہ غسان حارث بن ابی شمر نے مناۃ کے حضور میں بطور نذرانہ پیش کی تھیں۔ ان میں سے ایک تلوار کا نام مخذم اور دوسری کا "رسوب" تھا۔ ان تلواروں کا تذکرہ علقمہ نے ایک شعر میں اس انداز سے کیا ہے:-

مظاھر سر بالی حدید علیہما

عقیلا سیوف : مخذمٌ و رسوبُ

"زرہ بکتر پہننے کے ساتھ ساتھ اس نے دو مرصع تلواریں بھی یعنی مخذم اور رسوب بھی سجا رکھی تھیں"

حضور سرورِ کائنات نے یہ دونوں تلواریں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو عطا فرمائیں۔ بعض اہل علم کا خیال ہے کہ انہی میں سے ایک تلوار کو حضور سرورِ دو عالمؐ نے ذوالفقار کے نام سے موسوم فرمایا تھا۔

لیکن اسی سلسلہ میں ایک دوسرا قول یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جب حضورؐ نے "فلس" کی مہم پر روانہ کیا تو اس وقت طئی کے صنم کدے سے یہ تلواریں امیر المومنین کے ہاتھ آئیں۔

مناۃ کے علاوہ عربوں کا دوسرا واجب التعظیم بُت اللات تھا، جس نے طائف کی سرزمین میں کفر و شرک کی ظلمتیں پھیلا رکھی تھیں۔ اس صنم کدے کی تولیت ثقیف والوں کے سپرد تھی جن میں عتاب بن مالک کا خاندان سب سے نمایاں تھا۔ لات کا بُت بھی مناۃ کی طرح عرب کے سارے قبائل میں معظم اور مکرم تھا اور لوگ خیر و برکت کے حصول اور آسمانی اور ارضی آفات سے بچنے کے لیے اپنی اولاد کے نام اس بُت کے نام پر رکھتے تھے۔ اسلام سے قبل کی تاریخ پر ایک نگاہ ڈالی جائے تو معلوم ہوگا کہ "زید اللات" اور

تیم اللات" زبان زد عام نام تھے۔

طائف کے میدان میں جو مسجد آج موجود ہے اس کے بائیں مینار کے بالکل ساتھ ہی کبھی یہ بُت نصب تھا۔

عرب کی جاہلی شاعری میں ہمیں بے شمار مقامات پر اس بُت اور اس سے لوگوں کی عقیدت و محبت کا ذکر ملتا ہے۔ مثلاً عمرو بن الجُعَیْد نے اپنے ایک شعر میں لات کا ذکر یوں کیا ہے:

فَاِنِّی وَتَرْکی وَصْلَ کَاْسٍ لکالّذی
تبرّأ مِنْ لاتٍ وکان یدینُھا

"یہ ترک شراب بلا شبہ اس شخص کی مانند ہے جو لات سے بیزاری کا اظہار کرے درآنحالیکہ وہ اسے اپنا دین وایمان سمجھتا تھا۔

لات کا بُت ایک مدت دراز تک عربوں، خصوصاً اہلِ طائف کی عقیدت کا مرکز و محور رہا۔ پھر جب ۹ھ میں بنو ثقیف نے اسلام قبول کر لیا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مغیرہ بن شعبہ کو اس صنم کدے کے انہدام کے لیے بھیجا۔ چنانچہ انہوں نے اسے منہدم کر دیا۔

جس وقت شرک اور بُت پرستی کے اس مرکز کا استیصال کیا جا رہا تھا اس وقت شداد بن عارض الجشمی نے ثقیف والوں کو مخاطب کر کے بآوازِ بلند فرمایا:

لاتنصروا اللات ان اللّٰہ مھلکھا
وکیف نصرکم من لیس ینتصرُ

ان التی حُرّقَت بالنار فاشتعلَت
ولم تقاتل لدیٰ احجارھا، ھَدَرٌ
ان الرسولَ متیٰ یَنْزِل بساحتِکُمُ

یَظعنَّ ولَیسَ بِھَا مِن اَھلِہَا بَشَرٌ

"لات کی مدد نہ کرنا، کیونکہ لات کو برباد کرنے والا خود اللہ تعالیٰ ہے۔ جس کی قسمت میں کامیابی نہ ہو، تمہاری مدد سے کیا ہوگا۔ جو چیز آگ میں بھسم ہو کر راکھ ہو گئی اور اپنی کوئی مدافعت نہ کر سکی وہ یقیناً ناکارہ شے ہے۔ جب حضورؐ سرورِ عالم آپ کی سرزمین میں اپنے مبارک قدم رکھیں گے اور پھر یہاں سے واپس تشریف لے جائیں گے تو ایک متنفس بھی لات کا حامی نہ ہوگا۔"

اہلِ عرب کی تیسری مشہور دیویؒ کا نام عزّٰی تھا۔ اس کی پرستش لات و منات کے بعد شروع ہوئی۔ جاہلی ادب کی تاریخ اس حقیقت کی واضح طور پر نشاندہی کرتی ہے کہ اس دیوی کے نام پر عربوں نے اپنی اولاد کے نام بہت بعد میں رکھنے شروع کیے تھے۔ چنانچہ عبد العزّٰی جیسا مرکب اسم پہلے دور میں کہیں نظر نہیں آتا۔ اس کا تذکرہ عام طور پر ان شعراء کے کلام میں ملتا ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کی بعثت سے ذرا پہلے پیدا ہوئے۔

عزّٰی کی پرستش کا آغاز ظالم بن اسعد کے ہاتھوں ہوا۔ مکہ سے جو راستہ عراق کی طرف جاتا ہے اس پر بستان سے نو میل کے فاصلہ پر سڑک کے دائیں جانب اس دیوی کا بت نخلۃ الشامیہ کے مقام پر جسے حُراض بھی کہتے ہیں، نصب تھا۔ اس بُت کے اردگرد ایک وسیع عمارت تعمیر کی گئی تھی، جسے بُسّ کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا۔ اس عمارت میں اس دیوی کے حضور میں نذرانے پیش کیے جاتے، اس کی پرستش ہوتی اور غیب سے پُراسرار آوازیں سنانے کے عجیب و غریب انتظام کیے جاتے تھے۔

اس دیوی کا وقار اور احترام مسلسل بڑھتا رہا۔ لوگوں نے دوسرے ناموں کو چھوڑ کر آہستہ آہستہ اپنی اولاد کے نام اسی دیوی کے نام پر رکھنے شروع کیے، چنانچہ ایک ایسا وقت بھی آیا جب سب سے زیادہ مقدس نام عبد العزّٰی خیال کیا جانے لگا۔ عرب کا کوئی قبیلہ ایسا نہ تھا جس نے اس

ؒ حقیقت میں لات و منات بھی ان کی دیویاں ہی تھیں۔

بُت کی بندگی پر فخر نہ کیا ہو۔ لیکن اس معاملے میں جتنی فدائیت اور جاں نثاری قریش کے ہاں دیکھنے میں آتی ہے اُس کی نظیر ڈھونڈے سے نہیں ملتی۔

عرب کے اس سب سے زیادہ طاقتور اور با اثر قبیلے کے افراد کعبہ کے گرد طواف کرتے وقت اس بُت کی تعریف و توصیف ان الفاظ میں کرتے:

واللات والعزی۔ ومناۃ الثالثۃ الاُخری۔ فانھن الغرانیق العُلیٰ۔
وانّ شفاعتھن لَتُرتجیٰ۔

"قسم ہے لات و عزّیٰ کی، اور ان دو کے علاوہ تیسرے منات کی یہی حسین و جمیل رفیع الشان لڑکیاں ہیں، انہی سے شفاعت کے لیے التجا کی جاتی ہے"

ان تینوں بتوں یعنی لات، مناۃ اور عزّیٰ کو اہلِ عرب خدا کی بیٹیاں تصور کرتے تھے اور اس بات پر پختہ ایمان رکھتے تھے کہ ان کی شفاعت کے بغیر وہ دنیا اور آخرت میں کامیاب و کامران نہیں ہو سکتے۔ قرآن مجید نے بڑے زور دار الفاظ میں اُن کے اس باطل عقیدہ کی تردید کی ہے۔

اَفَرَءَیْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰی وَمَنٰوۃَ	کیا تم نے لات، عزّیٰ اور تیسرے منات کے حال
الثَّالِثَۃَ الْاُخْرٰی۔ اَلَکُمُ الذَّکَرُ وَلَہُ	پر غور نہیں کیا ہے؟ کیا تمہارے لیے تو بیٹے ہوں
الْاُنْثٰی۔ تِلْکَ اِذًا قِسْمَۃٌ ضِیْزٰی۔ اِنْ	اور خدا کے لیے بیٹیاں؟ اس اعتبار سے تو یہ بڑی
ہِیَ اِلَّآ اَسْمَآءٌ سَمَّیْتُمُوْہَآ اَنْتُمْ وَ	بے ڈھنگی تقسیم ہے۔ یہ نرے نام ہی نام ہیں جنہیں
اٰبَآؤُکُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰہُ بِہَا مِنْ سُلْطٰنٍ ط	تم نے اور تمہارے باپ دادا نے ٹھہرا لیا ہے خداوند
اِنْ یَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَہْوَی	تعالیٰ نے تو کوئی دلیل نہیں بھیجی۔ یہ لوگ بے بنیاد
الْاَنْفُسُ۔ وَلَقَدْ جَآءَہُمْ مِّنْ رَّبِّہِمُ	خیالات اور اپنے نفس کی پیروی کرتے ہیں حالانکہ
الْہُدٰی۔ اَمْ لِلْاِنْسَانِ مَا تَمَنّٰی۔ فَلِلّٰہِ	اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے پاس ہدایت آ چکی
الْاٰخِرَۃُ وَالْاُوْلٰی۔ وَکَمْ مِّنْ مَّلَکٍ	ہے۔ کیا انسان کی ہر خواہش اور تمنا پوری ہو جاتی
فِی السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِیْ شَفَاعَتُہُمْ شَیْئًا	ہے۔ سو اللہ ہی کے اختیار میں ہے دنیا اور آخرت

اِلَّا مِنْ بَعْدِ اَنْ یَّاْذَنَ اللّٰهُ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیَرْضٰی ۔ اِنَّ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ لَیُسَمُّوْنَ الْمَلٰٓئِکَةَ تَسْمِیَةَ الْاُنْثٰی ۔ (والنجم ۔ رکوع ۲۰۱)	اور بہت سے فرشتے جو آسمانوں میں موجود ہیں اُن کی سفارش ذرا بھی کام نہیں آسکتی مگر اللہ تعالیٰ جس کے معاملے میں چاہیں اور جس سے راضی ہوں اجازت فرمادیں ۔ اور جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے وہ فرشتوں کو بیٹی کے نام سے نامزد کرتے ہیں ۔

قُریش نے حُراض کے قریب ایک پُوری وادی جسے سقام کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، عُزّیٰ کے لیے وقف کر رکھی تھی ۔ اس وادی کو یہ لوگ بڑی عزت و توقیر سے دیکھتے اور اسے خانۂ کعبہ کا ہی ایک حصّہ خیال کرتے تھے ۔ چنانچہ عزّیٰ کے ذکر کے ساتھ ساتھ اس "وقف" کا ذکر بھی عربی اشعار میں کئی جگہ ملتا ہے ۔ ابو جندب الھذلی اپنی محبوبہ کا تذکرہ کرتے ہوئے عزّیٰ اور سقام دونوں کی طرف اپنے ایک شعر میں یُوں اشارہ کرتا ہے:

لَقَدْ حَلَفْتُ جهدًا یَمِیْنًا غَلِیْظَةً
لبغرع التی اَحْمَتْ فروع سُقَامِ

"اُس نے اُس ذات کی پختہ اور سچی قسم کھائی جس کے لیے سقام کی وادی وقف کی گئی تھی ۔"

اسی طرح درہم بن زید الاوسیؔ نے ایک شعر میں کہا ہے ۔

انی ورب العزی السعیدہ
واللّٰہ الذی دون بیتہ سرف

"خوش بخت عزّیٰ کے رب کی قسم، اس اللہ کی قسم جس کے گھر اور سقام کے درمیان سَرِف موجود ہے ۔"

عزّیٰ کے صنم کدے میں ایک قربان گاہ بھی تھی جسے غبغب کہا جاتا تھا اور جہاں زائرین ہدیے

کے جانور لاکر ذبح کرتے تھے۔ ایک شاعر کہتا ہے:۔

لَقَدْ اُنْكِحَتْ اَسْمَاءُ لَحْيَ بُقَيْرَةٍ
من الاُدْمِ اهداها امْرُؤٌ من بني غَنَم
رأى قَذَعًا فِي عَيْنِهَا إِذْ يَسُوقُها
إِلَى غَبْغَبِ العُزّٰى، وضْع فِي الْقَسَم

"اسماء کا نکاح اس بچھڑی کے جبڑے سے کر دیا گیا جسے بنی غنم کے کسی شخص نے چڑھاوا دیا تھا۔ اور جب وہ اسے غبغب عزّٰی کی جانب لے جارہا تھا اور اسے تقسیم کے لیے کاٹا تو اس وقت اُسے اس کی آنکھ میں عیب نظر آیا"

عزّٰی کا صنم کدہ عربوں کے ہاں کتنا مشہور و مقبول اور کس قدر واجب التنظیم تھا اس کا ہلکا سا اندازہ قیس بن الحدادیۃ الخزاعی کے اس شعر سے لگایا جا سکتا ہے:

تَحْلِفُنَا بِبَيْتِ اللهِ اَوَّلَ حَلْفَةٍ
وَاِلَّا فَاَنْصَابٍ يُسُرْنَ بِغَبْغَبِ

"ہم سب سے پہلے قسم اللہ کے گھر کی کھاتے ہیں لیکن اگر وہ موثر نہ ہو تو پھر اُن مقدس پتھروں کی جو غبغب کے مقام پر نصب ہیں۔"

اس امر کا فیصلہ کرنا قدرے مشکل ہے کہ لات، مناۃ اور عزّٰی میں عربوں کے نزدیک کونسی دیوی سب سے زیادہ قابلِ تکریم تھی لیکن ایک بات وثوق کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ قریش کو عزّٰی سے ایک خاص قلبی لگاؤ تھا اور وہ اس کی عزت و تکریم کو اپنا جزوِ ایمان سمجھتے تھے۔

زید بن عمرو بن نفیل کا شمار اُن سعید روحوں میں ہوتا ہے جن کی فطرت سلیم نے انہیں بُت پرستی سے اسلام کا آفتاب طلوع ہونے سے پہلے ہی بیزار کر دیا تھا۔ انھوں نے اپنے اشعار میں بُت پرستی کی پُر زور مذمت کی ہے اور اس سے براءت کا کھلے بندوں اظہار کیا ہے۔ اُن کے اشعار کے مطالعہ سے یہ بات بڑی آسانی سے اخذ کی جا سکتی ہے کہ حضور سرورِ کائنات

کی بعثت سے پہلے عربوں کی عقیدت کے کون کون سے مرکز و محور تھے اور وہ کن آستانوں پر اپنی جبینِ نیاز جھکا کر اپنے جذبۂ عبودیت کی تسکین کیا کرتے تھے۔ اس ضمن میں زید بن عمرو بن نفیل کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

ترکت اللات والعُزّٰی جمیعًا
کذالک یفعل الجَلدُ الصّبورُ
فلا العزّٰی اَدین ولا ابْنَتَیْهَا
ولا صَنَمَیْ بَنِیْ غَنَمٍ اَزُورُ
ولا هُبَلًا اَزُورُ وکانَ رَبًّا
لنا فی الدَّهرِ اِذْ حِلمی صَغِیْرٌ

"میں نے لات اور عُزّٰی دونوں کی پرستش سے منہ موڑ لیا ہے اور جری اور بہادر آدمی اسی طرح کرتا ہے۔ میں اب نہ تو عُزّٰی کا پرستار ہوں اور نہ ہی اس کی دونوں بیٹیوں کا، میں بنی غنم کے دونوں بتوں کی بھی زیارت نہیں کرتا۔ میں ہُبل کی زیارت اور اس کی پرستش کے لیے بھی نہیں جاتا حالانکہ جب میں سنِ بلوغ کو نہ پہنچا تھا اس وقت ہم اُسے اس دنیا میں اپنا رب تصور کیا کرتے تھے۔"

عُزّٰی کے صنم کدے کی تولیت عرصۂ دراز تک مجموعی طور پر بنی سُلَیم کے پاس رہی لیکن اس بُت خانہ کی حفاظت اور دربانی میں بنو شیبان پیش پیش تھے اور اس کام کو اپنے لیے ایک غیر معمولی اعزاز سمجھ کر اسے بڑے خلوص کے ساتھ سرانجام دیتے رہے۔

اس کی پرستش بھی دوسرے بتوں کی طرح حضور سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت تک جاری رہی، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی بربادی کا حکم صادر فرما دیا۔ اس دیوی کے بارے میں عربوں کے جذبات کتنے نازک تھے اور اس کے ساتھ ان کی وابستگی کتنی گہری تھی اس کا اندازہ اُس صدمے سے لگایا جا سکتا ہے جو انہیں اس کی مذمت سے پہنچا۔ سورہ النجم کی مشہور آیت